سلسلہ دعوات عبدیت کے

حصہ دوم کا

نواں وعظ

تطہیر الاعضاء

حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ عالم ربانی مولانا و مقتدانا حاجی حافظ
قاری شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی فاروقی چشتی حنفی قدس سرہٗ

بہ تصحیح محمد سراج الحق مچھلی شہری

فہرست مضامین

ناشر:- مکتبہ جامی واخوانہ حسن منزل الہ آباد ۳
باہتمام حاجی عبد المجید صاحب اسرار کریمی پریس الہ آباد
ربیع الاول سنہ ۱۳۷۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وعظ نہم ملقب بہ تطہیر الاعضاء

این	متی	کم	کیف	ماذا	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۲۰ شوال ۱۳۲۹ھ	ایک گھنٹہ	بیٹھ کر	حفظ قلب و جوارح	مولوی عبداللہ صاحب مدرس مدرسہ امداد العلوم	تقریباً ۱۵۰	.

خطبۂ ماثورہ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ ترجمہ آیۃ کریمہ کا یہ ہے مت اتباع کر اُس شے کی جس کی تجھ کو تحقیق نہیں بیشک کان اور آنکھ اور قلب ان میں سے ہر ایک سے سوال کیا جائے گا اس آیۃ کے سیاق و سباق میں بعض ضروری نصائح و مواعظ مفیدہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمائے ہیں اور سب کے آخر میں بطور امتنان کے فرمایا ہے ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب مذکورہ نصائح اُن حکمۃ کی باتوں سے ہیں کہ تمہارے رب نے تمہاری طرف وحی فرمائی ہے۔ اس امتنان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام نصائح جو یہاں مذکور ہیں نہایت اہتمام کے قابل ہیں منجملہ اُن کے یہ آیت ہے اس آیۃ میں چار چیزوں کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے قلب آنکھ۔ کان یہ تین چیزیں تو بالتصریح بیان فرمائیں چوتھی چیز بقیہ جوارح یعنی ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہ کی حفاظت ہے وہ بالتصریح اس آیۃ میں مذکور نہیں ہیں بلکہ ان چیزوں کی حفاظت کو ولا تقف ما لیس لک بہ علم میں دلالۃً ذکر فرمایا ہے چنانچہ ولا تقف ما لیس لک بہ علم کی حقیقت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں تمام جوارح کی حفاظت بھی آگئی ہے اس لئے کہ اس کی حقیقت ہے بلا تحقیق کسی امر کا اتباع کرنا اب اس کی تحقیق کی چند صورتیں ہیں مثلاً کوئی شے گم ہو جائے بلا تحقیق قرائن موہومہ پر کسی کو چور کہہ دیا چور کہنا زبان کا گناہ ہے ولا تقف ما لیس لک بہ علم اس گناہ سے روکتا ہے۔ دیکھئے ولا تقف ما لیس لک بہ علم پر عمل نہ ہونے سے زبان کا گناہ ہو گیا ایک عجیب حکایت یاد آئی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے دیکھا اُس سے فرمایا کہ تو چوری کرتا ہے اُس نے کہا کلا واللہ الذی لا الٰہ الا ھو یعنی ہرگز نہیں قسم ہے اُس ذات کی کہ معبود نہیں سوائے اُس کے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا صدقتُ ربی و کذّبت عینی یعنی میں اپنے رب کی تصدیق اور اپنی آنکھ کی تکذیب کرتا ہوں یعنی میری آنکھ نے غلط دیکھا تو سچا ہے۔ شاید کوئی خشک مغز

آیۃ ان السمع الآیۃ سے سمع بصر قلب جوارح کی حفاظت کا حکم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکایت

انبیاء علیہ السلام مغلوب الحال نہیں ہوتے

اس کو غلو فی الدین سمجھے یا کوئی یوں کہے کہ یہ تو استغراق یا غلبہ حال ہے سو یاد رکھو کہ انبیاء علیہ السلام میں نہ غلو فی الدین ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے اور نہ وہ مغلوب الحال ہوتے ہیں بلکہ اپنے حال پر غالب ہوتے ہیں بزرگوں کی دو قسمیں ہیں ابوالحال اور ابن الحال۔ ابوالحال وہ ہیں جو اپنے حال پر غالب ہوتے مخلوق سے ملے جُلے رہتے ہیں اسباب ظاہرہ کو چھوڑتے نہیں ہر امر کو ضابطہ اور قاعدے سے کرتے ہیں مال کو انتظام سے خرچ کرتے ہیں ان امور میں جیسے اور عوام کی حالت ہوتی ہے ایسی ہی اُن کی بھی ہوتی ہے اور اہل حال آزاد ہوتے ہیں خلقت سے بھاگتے ہیں کسی امر کی تدبیر نہیں کرتے مَوجی بندے ہوتے ہیں جو چاہتے ہیں کرتے ہیں ہاں خلاف شریعت کچھ نہیں کرتے اس لئے کہ جو خلاف شریعت کرے گا وہ مقبول و بزرگ نہیں ہو سکتا البتہ اُس کا قول و فعل کبھی بظاہر خلاف شریعت ہوتا ہے جس کی تاویل ضروری ہے اکثر عوام الناس ایسے لوگوں کو باکمال سمجھتے ہیں اور اہل کمال کو کم پہچانتے ہیں اس لئے میں اہل کمال

ابوالحال اور ابن الحال کے معنی

اہل کمال کی شناخت کا قاعدہ کلیہ

اور غیر اہل کمال کی شناخت کے لئے ایک قاعدہ کُلیہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ وہ نہایت مفید ہے وہ یہ ہے کہ ولایت نبوۃ سے مستفاد ہے جس بزرگ کی حالت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ زیادہ مشابہ ہوگی وہ باکمال ہوگا سو انبیاء نے نہ کبھی نعرے مارے نہ کبھی کپڑے پھاڑے نہ خلقت سے بھاگے خصوصًا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہر امر کا انتظام حضور کے یہاں تھا سلطنت کا انتظام حضورؐ نے ایسا فرمایا کہ سلاطین دنیا نے آپ سے سیکھا خانہ داری کا انتظام ایسا تھا کہ آج کوئی اُس کی نظیر نہیں دکھلا سکتا اسی طرح ملنے جُلنے کھانے پینے حتّٰی کہ بول و براز کے قواعد حضورؐ نے امۃ کو تعلیم فرمائے اہل کمال کی حالت اسی طرز کی ہوتی ہے اور جس طرح آجکل عوام ایسے اہل کمال کو بزرگ و خدا رسیدہ نہیں جانتے اُس وقت بھی عام لوگوں نے انبیاء کو کامل نہیں سمجھا چنانچہ کہا کرتے تھے مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا

تصرف علامت مقبولیت کی نہیں ہے

یعنی اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے ان کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا کہ اُن کے ساتھ رہ کر لوگوں کو تبلیغ کرتا ان کے پاس کوئی خزانہ ہوتا نہ کہ ہم سے بھی زیادہ غریب مفلس ہیں ہم دو وقت کھانا کھاتے ہیں ان کو ایک وقت بھی کئی کئی دن میں ملتا ہے اچھے اللہ کے پیارے ہیں کوئی اپنے پیارے کو بھوکا بھی مارا کرتا ہے یا ان کے پاس کوئی باغ ہوتا کہ یہ اُس سے کھاتے غرض کوئی وصف ایسا ہوتا جو ہم میں نہیں یہ کیسے نبی ہیں جو ہم سے ممتاز نہیں ہیں اسی طرح جو اولیاء اللہ اس شان کے ہوتے ہیں اُن پر لوگ اعتراض کرتے ہیں اور جو خلقت سے بھاگتا ہے کھاتا پیتا نہیں ننگا رہتا ہو کسی سے بات نہ کرتا ہو وہ بزرگ ہے اور اگر خلاف عادت کوئی امر اُس سے صادر ہو گیا کسی پر کوئی تصرف کر دیا اس کو تو نعوذ باللہ نبی سے بڑھ کر جانتے ہیں حالانکہ تصرف کوئی چیز نہیں ہے یہ تو ریاضت سے ہندو جوگیوں میں بھی پیدا ہو جاتا ہے بلکہ اہل کمال اس کو اچھا نہیں جانتے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ عارف را ہمۃ نباشد۔ یعنی عارف کو ہمت یعنی تصرف نہیں ہے ہمت کے وہ متعارف معنی نہیں کہ کسی کام کی ہمۃ نہیں بلکہ ہمت کے معنی تصرف وغیرہ کے ہیں مطلب یہ ہے کہ عارف کو تصرف نہیں ہوتا اور وجہ اس کی

معنی قول خواجہ عبید اللہ رح کہ عارف را ہمت نباشد

یہ ہے کہ جس قدر عرفان بڑھے گا فنا بھی ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے اور اپنے سے نظر اُٹھتی جاتی ہے دیکھئے تحصیلدار اپنے اجلاس میں بیٹھ کر بڑے بڑے احکام صادر کرتا ہے لیکن گورنر جنرل کے سامنے جب آتا ہے تو اُس کی وہ حالت ہوتی ہے جو ادنیٰ اردلی کی ہے۔ اُسی طرح عارف کو جس قدر معرفت بڑھے گی وہ مٹتا چلا جائے گا فنا سے اس کو فاعلیت مستقلہ (ایک طرح کا مختار کل) من وجہ کے تصور سے غیرت آئے گی اور فاعلیۃ کجا اور معرفت سے دوسرے کی طرف توجہ تام کرنے سے غیرت آئے گی اور تصرف میں یہی ہوتا ہے کہ دوسری طرف توجہ تام کرنا پڑتا ہے اور تدبیر مسنون اس سے مستثنیٰ ہے کہ اُس میں فاعلیۃ و توجہ میں استغراق نہیں ہوتا عارفین میں دو باتیں ہوتی ہیں برکت اور کرامت برکت یہ ہوتی ہے اُن کے وجود باجود سے بارش ہوتی ہے بیماری دور ہوتی ہے آفات اور حوادث ٹل جاتے ہیں لیکن انکو خبر تک نہیں ہوتی جیسے آفتاب جب نکلتا ہے تو سب کو منور کر دیتا ہے لیکن آفتاب کو کچھ خبر تک نہیں کہ میری ذات سے کس کس شئے کو نفع پہنچ رہا ہے اور دوسری شئے کرامت ہے وہ بھی کبھی عارفین میں ہوتی ہے کرامت یہ ہے کہ کسی خارق عادت کا اُن کے ذریعہ سے ظاہر ہونا کرامت میں قصد نہیں ہوتا گو علم ہو اور تصرف میں قصد کرنا اور توجہ اس طرف مبذول کرنا ضروری ہے ہاں اگر اذن الٰہی اس تصرف کا ہو تو اور بات ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امور نازلہ میں دعائیں بہت کی ہیں مگر یہ کہیں نہیں آیا کہ آنکھیں بند کر کے اُس طرف توجہ و تصرف کیا ہو چنانچہ آیا ہے کہ حضور نے دعا فرمائی اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بعمرو بن ہشام یعنی اے اللہ اسلام کو قوۃ دے عمر بن خطاب سے یا ابوجہل بن ہشام سے یعنی ان کو مسلمان کر دے یہ نہیں کیا کہ اُن کی جانب توجہ فرمائی ہو اور تصرف کیا ہو بلکہ دعا فرمائی اگر تصرف ہوتا تو دو کا نام نہ لیتے کیونکہ تصرف میں یکسوئی لازم ہے ایک کو معین کر کے جب تک اُس کی طرف کامل توجہ نہ کی جاوے کچھ نہیں ہوتا حق تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں دعا قبول فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے غرض یہ تو آیا ہے کہ حضور نے ہدایت کی دعائیں فرمائی ہیں چنانچہ احادیث اُن دُعاؤں سے مملو و مشحون (بھری پڑی ہیں) ہیں اور یہ بہت کم منقول ہے کہ تصرف کیا ہو اسی واسطے میں نے اوپر باذن الٰہی کی شرط و قید ذکر کر دی ہے اس لئے کہ تصرف بھی حضورؐ نے گاہ گاہ فرمایا ہے چنانچہ آیا ہے کہ آپؐ نے بعض صحابہؓ کے سینہ پر ہاتھ مارا اُن کا شبہ زائل ہو گیا۔ ایک صحابیؓ گھوڑے پر سوار نہ ہو سکتے تھے آپ نے اُن کے سینہ پر ہاتھ مارا وہ سوار ہونے لگے سینہ پر ہاتھ مارنا یہ قرینہ اس کا ہے کہ یہ فعل تصرف ہے اور اگر کسی کے سمجھ میں اس کی کوئی اور توجیہ آجاوے تو پھر استثنا کی حاجت نہیں ہے انبیاء کے تصرف نہ فرمانے کا حکم اپنے عموم پر رہے گا بہر حال اگر ثابت بھی ہو جاوے تو شاذ ہے اور شاذ پر حکم نہیں ہوا کرتا سنت وہ ہے جس پر حضورؐ نے مواظبۃ (ہمیشہ عمل کیا) فرمائی ہو مثلاً آپ نے قبا پہنی تھی اُس میں سونے کی گھنڈیاں تھیں تو یہاں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سنت ہے یہاں جواز کے لئے آپ نے ایسا کیا اسی طرح یہاں بھی کہا جائے گا کہ سنت تو دعا کرنا ہے اور یہاں جواز کے لئے شاذ و نادر تصرف بھی فرمایا ہے خلاصہ یہ ہے کہ حضورؐ کے یہاں کوئی امتیاز خاص نہ تھا حضورؐ نے اپنے لئے اتنا بھی امتیاز نہ رکھا تھا جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس گروہ

عارف کو تصرف نہ ہونے کی وجہ

کرامت اور تصرف میں فرق

حضور سے گاہ گاہ تصرف بھی ثابت ہے مگر سنت نہیں ہے

ہیں سردار کون ہے چنانچہ اگر کوئی آتا تو پوچھتا من محمد فیکم یعنی تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں نہ گاؤ تکیہ نہ مسند تھی حتیٰ کہ جب چلتے تھے تو اُس کے لئے بھی کوئی خاص وضع مقرر نہیں فرمائی تھی کہ آگے ہی چلتے ہوں چنانچہ حضورؐ اول اول مدینہ طیبہ تشریف لائے تو قبا میں قیام فرمایا تھا اہل مدینہ آپ کو بہت کم جانتے تھے نادیدہ عاشق تھے حضورؐ کی تشریف آوری کی خبریں آرہی تھیں ہفتے گذر گئے تھے کہ ہمیشہ استقبال کو جاتے تھے لیکن ناکام آتے تھے جس روز تشریف لائے تو ایک یہودی نے جو پہاڑ پر چڑھا تھا دور سے دیکھا اور پکار کر کہا کہ یا اہل المدینۃ ہذا جدکم یعنی تمہارا نصیبہ آگیا چنانچہ سب آئے اور حضورؐ نے قبا میں قیام فرمایا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمراہ تھے اور حضرت صدیق اکبرؓ کی ڈاڑھی میں سفید بال زیادہ تھے اس لئے جو لوگ آتے تھے وہ صدیق اکبر کو پیغمبر سمجھتے تھے جو آتا اُن سے مصافحہ کرتا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ادب دیکھئے کہ اُنھوں نے کسی سے یہ نہیں کہا کہ حضورؐ سے مصافحہ کرو برابر سب سے مصافحہ کر لیتے تھے اگر کوئی کہے یہ تو بے ادبی ہے یاد رکھو کہ ادب کی حقیقت اور اُس کا حاصل راحت رسانی ہے لوگوں نے جو ادب کے معنی گڑھے ہیں کہ جوتیاں اُٹھائے دست بستہ کھڑے ہو گئے کہ جب تک اجازت نہ ہوگی بیٹھیں گے نہیں خواہ دوسرے کو اس سے تکلیف ہی ہو یہ ادب نہیں ہے آجکل اگر کوئی بزرگوں کے سامنے ایسا کرے جیسے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا تو اس کو بے ادب سمجھیں گے اب میں بیان کرتا ہوں کہ حضرت صدیق اکبر کا یہ عمل ادب کیونکر ہے بات یہ ہے کہ آپؐ تھکے ماندے تشریف لائے تھے اگر تمام مجمع سے آپؐ مصافحہ کرتے اور علیحدہ علیحدہ سب کا حال پوچھتے تو آپ کو ضرور تکلیف ہوتی اور آپؐ وہ ذات مقدس ہیں کہ جن کی راحت کے لئے غار میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے کو سانپ سے کٹوا لیا لیکن حضورؐ کی راحت رسانی کے واسطے حرکت تک نہیں فرمائی پس ایسے محبوب کی اس قدر تکلیف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے جان نثار و محب کو کیسے گوارا ہوتی چنانچہ لوگ آرہے ہیں اور آپ مصافحہ کر رہے ہیں اب تو یہ مصیبت ہے کہ اگر ایسا کرنے لگیں تو اُس کو بے ادب گستاخ مدعی سمجھا جاتا ہے یہ تو ظاہری حکمت اس مصافحہ کی ہوئی اور ایک باطنی راز ہے وہ یہ ہے کہ محبت کا خلاصہ ہے کہ محب میں فنا فی المحبوب کا مضمون پیدا کر دیتی ہے اور فنا کا خاصہ ہے من وجہٍ اتحاد سو اللہ تعالیٰ نے یہ دکھلا دیا کہ حضرت صدیق اکبر ایسے محب ہیں کہ لوگ اُن کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سمجھ کر اُن سے مصافحہ کرتے ہیں ؎

من تو شدم تو من شدی من جاں شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

لیکن حضرت صدیقؓ اکبر اس پر بھی مغلوب الحال نہیں ہوئے چنانچہ اُنھوں نے انا محمد (میں محمد ہوں ۱۲ منہ) نہیں کہا اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس واقعہ سے اُس اتحاد کو ظاہر فرما دیا۔ جیسے احمد جام کا قول انا احمد بلا میم یہ غلبہ حال میں اُنھوں نے فرمایا تھا یہ احمد جام کا قول ہے لوگ اس کو حدیث سمجھتے ہیں حدیث نہیں ہے خیر یہ ایک لطیفہ ہے جس میں کوئی امر خلاف شریعت نہیں ہے حاصل یہ ہے کہ لوگ مصافحہ کرتے رہے جب آفتاب اونچا ہوا اور دھوپ کے اندر تیزی ہوئی

ف: مدینہ طیبہ میں حضورؐ کی تشریف آوری کا قصہ اور اس کے نکات

ف: ادب کی حقیقت

ف: [illegible]

ف: انا احمد بلا میم حدیث نہیں ہے بلکہ ایک بزرگ کا قول ہے

صحابہ میں آجکل کا سا تکلف نہ تھا

اور آپ پر دھوپ آئی اُس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ پر ایک کپڑے کا سایہ کر کے کھڑے ہوگئے اُس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ آقا ہیں اور یہ خادم ہیں لیکن اس معلوم ہونے پر اُن صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر دوبارہ مکرر مصافحہ نہیں کیا اگر آجکل کے لوگ ہوتے تو پھر حضورؐ سے مصافحہ کرتے اور ہر شخص کہتا کہ حضورؐ میں معافی چاہتا ہوں مجھ سے بڑی غلطی ہوئی صحابہؓ کے اندر یہ تکلف نہ تھا حالت یہ تھی کہ وقت پر تو جان دینے کو تیار تھے اور دوسرے وقت یہ بھی پتہ نہ چلتا تھا کہ ان میں کون مخدوم ہے کون خادم ہے اور یہاں ایک بات اور معلوم ہوئی وہ یہ کہ یہ

حضور کے سایہ نہ ہونے کی تحقیق

مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ تھا اور وجہ اُس کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضور کے سر پر ہر وقت ابر کا سایہ رہتا تھا اس قصہ سے معلوم ہوا کہ ابر کا سایہ رہنا دائمی نہ تھا لیکن ہم سایہ نہ ہونے کی نفی نہیں کرتے ہیں ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو مگر ہم نے اس کے متعلق کہیں صراحۃً روایت نہیں دیکھی مواہب لدنیہ سیر میں بہت مبسوط کتاب ہے مگر انھوں نے بھی کوئی روایت نہیں لکھی واجعلنی نوراً سے استنباط کیا ہے لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ اس سے (مجھے نور بنا دے) استدلال کرنا کیا درجہ رکھتا ہے بہرحال مقصود اس قصہ سے یہ ہے کہ حضورؐ اپنی کوئی حالت ممتاز نہیں رکھتے تھے اولیاء کاملین کی یہی حالت ہوتی ہے اس کی بحث بہت طویل ہے لیکن بقدر ضرورت تحقیق ہو چکی ہے اسی پر اکتفا کر کے میں اصلی مقصود بیان کرتا ہوں کہ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں شبہ مغلوب الحال ہونے کا نہ کیا جاوے جیسا کہ واضح ہوگیا اب رہی یہ بات کہ جب یہ نہ غلو فی الدین ہے اور نہ غلبہ حال ہے تو پھر اس حدیث کی کیا توجیہ ہے کیوں کہ ظاہراً تو یہ عقل کے خلاف معلوم ہوتا کہ صریح چوری کرتے دیکھ رہے ہیں اور پھر اپنے مشاہدہ کی تکذیب کر رہے ہیں اور نہ عقل کے خلاف ہونے سے خود حدیث کی صحت مخدوش ہوگئی اور مبنیٰ اس شبہ کا یہ ہے

درایت خدا تعالیٰ پر حاکم نہیں ہے

کہ آجکل ایک جماعت پیدا ہوگئی ہے انھوں نے کچھ اصول درایۃ کے تراشے ہیں اور احادیث کو اُن اُصول پر منطبق کرتے ہیں اور عدم انطباق کے وقت حدیث کے معنی میں تحریف کرتے ہیں یا حدیث کا انکار کر دیتے ہیں انھوں نے عقل و درایت کی حکومت کو اس قدر عام مانا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھی اُس کو حاکم بنا دیا خوب سمجھ لو کہ اول تو درایۃ باوجود حاکم ہونے کے خدائے تعالیٰ پر حاکم نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں نہ جلنے کو خلاف درایۃ بتلاتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا اس لئے خدا تعالیٰ نے اِس کو واقع نہیں کیا عجیب بات ہے تمہاری سمجھ میں نہ آنے سے یہ کیسے لازم آیا کہ اِس کا وقوع بھی نہیں ہوا درایۃ خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے خدا تو درایۃ کے قبضہ میں نہیں مولانا روم نے ایسی

مثنوی مولانا روم کی ایک حکایت

ایک حکایت لکھی ہے جس میں وجہ درایۃ کی بھی بتلائی ہے کہ ایک بادشاہ نے بڑی بڑی گھاٹیاں آگ سے بھروا رکھی تھیں جو بُت پرستی نہ کرتا تھا اُس کو آگ میں پھینک دیتا تھا ایک موحد عورت آئی اُس کے پاس ایک بچہ تھا اُس عورت کو کہا تو بُت کو سجدہ نہ کرے گی تو اس بچہ کو آگ میں پھینک دیں گے اُس نے صاف انکار کیا چنانچہ اُس بچہ کو آگ میں پھینک دیا اُس بچّہ نے آگ میں سے ماں کو ندا دی ؎ اندر آ مادر کہ من اینجا خوشم + گرچہ در صورت میان آتشم اندر آ اسرار ابراہیم ببیں + کو در آتش یافت وَرد و یاسمیں + اندر آ پیدائے مسلماناں ہمہ غیر عذب دیں عذاب است آں ہمہ

اے اماں میں یہاں مزے میں ہوں اگرچہ بظاہر آگ میں ہوں۔ اسی میں تو بھی آجا تو ابراہیمؑ کے اسرار تجھے نظر آئیں کہ انھیں آگ میں بھی گلاب وچنبیلی نظر آئیں اس کے اندر تمام مسلمانوں کے لئے آرام ہے اور دین کا مزہ جسے حاصل نہیں اس کے لئے عذاب ہے ۱۲ منہ چنانچہ ماں بھی آگ کے اندر کود پڑی اور مسلمانوں نے گرنا شروع کیا اور سب صحیح سالم رہے آخر بادشاہ نے جھلا کر آگ کو خطاب کیا اے آگ تجھکو کیا ہوا کیا تو آگ نہیں رہی آگ نے جواب دیا ؎ گفت آتش من ہمانم آتشم * اندر آتا تو ببینی تابشم طبع من دیگر نگشت و عنصرم * تیغ حقم ہم بدستوری برم۔ آگ بولی میں اب بھی آگ ہی ہوں ذرا تو اس میں گھس تو تجھے میری گرمی کا حال معلوم ہو۔ نہ میں بدلی نہ میری تاثیر بدلی۔ میں تو خدا کی تلوار ہوں جہاں اس کا حکم ہوتا ہے وہاں کاٹتی ہوں ۱۲ س مولانا اس کا راز فرماتے ہیں جس میں درایۃ کی وجہ بتلائی ہے ؎ خاک و باد و آب و آتش بندہ اند۔ با من و تو مردہ باحق زندہ اند (یہ عناصر خدا کے غلام ہیں۔ بظاہر مردہ ہیں لیکن خدا کے سامنے زندہ ہیں ۱۲ س) پس آگ بیشک فاعل ہے مگر کب تک جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو معطل نہ فرماویں اور جب معطل فرماویں کسی کام کی نہیں جیسے تحصیلدار حاکم ہے جب تک معطل نہ ہو جب معطل ہوگیا تو جیسے اور ہیں ویسا ہی وہ بھی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا اس لئے کہ اُس کو حکم ہوگیا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ۔ (اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی بن جا ۱۲ س) پس گو یہ ظاہراً خلاف درایۃ ہے لیکن خود یہ حکم درایۃ کا کہ النار محرقۃ (آگ جلاتی ہے) حق تعالیٰ پر تو حجت نہیں دوسرے آپ کی درایۃ بھی تو ناتمام ہے چنانچہ آپ کی درایۃ تو صرف اس قدر ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے قصہ کو آپ نے خلاف درایۃ سمجھ لیا حالانکہ واقع میں یہ درایت کے بھی خلاف نہیں ہے اس لئے کہ سرقہ کی حقیقت یہ ہے اخذ مال الغیر خفیۃ اسکے تحقیق کیلئے چار چیزوں کی ضرورت ہے اول لینا دوسرے مال کا لینا تیسرے غیر کا مال چوتھے خفیۃً لینا آنکھ سے صرف اس قدر دیکھا جاتا ہے کہ خفیہ مال لینا مگر مال الغیر ہونا یہ آنکھ سے کیسے معلوم ہوا ممکن ہے کہ وہ شے اُسی کی ہے یا اُس نے اجازت لے لی ہو تو حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اول اُس ہیئت کو دیکھ کر فرمایا کہ چوری کی ہے پھر اُس کی قسم کے بعد دوسرا عقلی احتمال مستحضر ہوگیا کہ شاید یہ سرقہ نہ ہو اور یہ سمجھا ہو کہ اس ہیئت میں کوئی عارضی مصلحت ہوگی آپ نے دیکھا آپ کی عقل اس قدر ہے اسی طرح جن جن چیزوں کو آپ خلاف عقل کہتے ہیں میں انشاء اللہ تعالیٰ ایک ایک کو عقل پر منطبق کرسکتا ہوں ہم اور آپ عاقل نہیں ہیں ہاں آکل ہیں یعنی ہم کو کھانے کی عقل ہے مثل بہائم کے چنانچہ بعض جانور اپنے کھانے پینے کی ایسی تدبیر کرتے ہیں کہ عقلا بھی نہیں کرسکتے رجواڑوں میں سُنا ہے کہ ریت کے اندر تربوز چھپے رہتے ہیں بیلوں کو جب پیاس لگتی ہے تو ریت کرید کر تربوز نکال کر کھا لیتے ہیں اور آدمی کو تلاش سے بھی نہیں ملتے بس کھانے پینے کی ان تدبیروں کو لوگ ترقی کہتے ہیں ترقی یہ ہوئی کہ بیل کے برابر ہوگئے حضرت یہ ترقی نہیں ہے ترقی یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تم کو عقل دی ہے اُسکو دین کے کاموں میں صرف کرو کھانے پینے کی عقل تو جانوروں کو بھی ہوتی ہے بلکہ تم سے زیادہ ہوتی ہے اس پر تو چاہئے کہ وہ زیادہ ترقی یافتہ ہوں اگر یہی ترقی ہے تو ہم میں اور جانوروں میں فرق کیا ہوگا غرض یہ قصہ ہے عیسٰی علیہ السلام کا کہ انھوں نے کس قدر احتیاط فرمائی اور لاتقف مالیس لک بہ علم پر کیسا عمل کیا ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ ذرا سے شبہ میں چور کہدیتے ہیں محض قرائن سے کسی کو چور کہدینا نہایت بُرا ہے اس پر ایک اور مضمون یاد آگیا کہ بعض لوگ چور کے معلوم کرنے کے واسطے ایک عمل لوٹا گھمانے کا کیا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ خلاف عقل نہیں ہے

کھانا کمانا ترقی نہیں ہے

کرتے ہیں اُس پر سورہ یٰسین شریف پڑھتے ہیں جس کے نام پر لوٹا گھوم جائے اُس کو یقیناً چور سمجھتے ہیں اور اس عمل میں غلطی کا احتمال ذرا نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ یہ قرآن کا عمل ہے یاد رکھو کہ یہ حرام ہے شریعت میں بلا اپنے دیکھے یا دو عادل کی گواہی بغیر کسی کو چور سمجھنا ممنوع ہے اور یہ جو کہتے ہیں کہ قرآن کا عمل غلط نہیں ہو سکتا اس میں مغالطہ ہے یہ عمل اگر قرآن کا مدلول ہوتا تو واقعی یقینی ہوتا اور یہی معنی ہیں اس کے کہ قرآن میں احتمال غلطی کا نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ عمل قرآن کا مدلول نہیں خود تمہارا گڑھا ہوا ہے کیا اگر کوئی شخص ایک بڑا سا قرآن لے کر کسی کے سر میں مار دے اور وہ زخمی ہو جاوے تو کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ عمل جائز ہے کیونکہ قرآن کے ذریعہ سے ہوا ہے حاصل یہ ہے کہ ولا تقف ما لیس لک بہ علم میں بطریق مذکورہ زبان کی حفاظت کا حکم بھی داخل ہو گیا اور ہاتھ کی حفاظت اس طور پر داخل ہوئی کہ بلا تحقیق جرم کسی پر ظلم کرنا حرام ہے اور اس میں بھی مخالفت ہوئی ولا تقف الایہ کی اسی طرح پاؤں کی حفاظت اس طرح داخل ہے کہ بلا تحقیق جواز شرعی کسی ناجائز مجمع میں جانا حرام ہے اسی طرح سب جوارح (اعضا) کی حفاظت اس میں داخل ہو گئی اور سمع و بصر و فواد کی حفاظت تو بالتصریح ہے اس میں مذکور ہے مثلاً کان کو غیر مشروع الصوات و مضامین سے بچانا آنکھ کو غیر محارم کی طرف نظر کرنے سے بچانا قلب کو گمان بد وغیرہ سے بچانا اور اس سے کسی کو شبہ قیاس فقہی کے بطلان کا نہ ہو کہ ظاہراً وہاں بھی اتباع ہے ایسے امر کا جس کی تحقیق یقینی نہیں کیوں کہ حکم مجتہد فیہ ظاہر ہے کہ ظن ہوتا ہے خصوصاً (غلط ہونے) جبکہ دوسری آیت میں بھی اتباع ظن کی مذمت فرمائی گئی ہے اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا (یہ اٹکل پر کام کرتے ہیں مگر اٹکل حق بات میں کام نہیں دیتی ۱۲ س) جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ جب دلائل شرعیہ مستقلہ سے یہ مسئلہ تحقیق کو پہنچ گیا کہ قیاس اور اجتہاد جائز اور واجب العمل ہے تو اس پر ما لیس لک بہ علم صادق نہ آوے گا بلکہ وہ مالک بہ علم کا مصداق ہو گا کیونکہ علم کے عموم میں وہ دلائل شرعیہ مستقلہ مثبتہ حجۃ قیاس بالیقین (جو دلیل قیاس کا حجت ہونا ثابت کرے ۱۲ س) ہیں اگر قیاس کے متعلق اس علم کی تحقیق نہ ہوتی تو بیشک اُس کا اتباع ما لیس لک بہ علم کا اتباع ہوتا اور اب تو وہ اتباع مالک بہ علم کا ہو گا خوب سمجھ لو اور اتباع ظن کی جو مذمت آئی ہے وہاں ظن کے معنی مصطلح فقہی نہیں ہیں بلکہ ظن اصطلاح قرآن میں عام ہیں باطل یقینی اور مخالف دلیل صحیح کو بھی چنانچہ منکرین بعث کے قول میں اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا (ہمیں ایسا خیال ہوتا ہے ۱۲ س) اور ظاہر ہے کہ اُن کو اُس کا احتمال بھی نہ تھا چہ جائیکہ احتمال راجح بلکہ وہ اُس کو اپنے زعم میں علم صحیح کے خلاف سمجھتے تھے پھر بھی اُس کو ظن کہا گیا پس ثابت ہوا کہ اصطلاح قرآن میں ظن عام ہے امور باطلہ کو بھی پس ثابت ہوا کہ اصطلاح قرآن میں ظن عام ہے امور باطلہ کو بھی پس معنی آیۃ ذم ظن کے یہ ہیں ان یتبعون الا ما خالف الدلیل القطعی وکل ما خالف الدلیل القطعی لا یغنی من الحق شیئاً بل ھو باطل قطعاً (وہ دلیل قطعی کے خلاف چلتے ہیں اور دلیل قطعی کے خلاف چلنا حق بات میں ذرا بھی کام نہیں دیتا بلکہ قطعاً غلط ہے ۱۲ بل) پس اس آیت سے بھی شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ فقط۔ [جامع التماس کرتا ہے کہ بعض عوارض سے میں پورا نہ لکھ سکا جس قدر ضبط ہوا اس کو صاف کر دیا کہ خالی از نفع نہ تھا خصوص تحقیق اخیر کہ بیحد لطیف و نافع ہے خصوص طلبہ کے لئے وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔]

جواب شبہ بطلان قیاس بآیۃ ولا تقف ما لیس لک بہ علم و آیۃ ان یتبعون الا الظن